

علی (ع) اور جہاد

<?xml encoding="UTF-8">

مسئلہ جہاد جو اپنے ہمراہ خونریزی، بے رحمی اور بربیت کا مہیب تصور لیکر آتا ہے، اسلام کے اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس قول کی کہ اسلام شمشیر کے زور پر پھیلا ہے حتیٰ الامکان تو جیہ و تفسیر کی جائے۔ اس مسئلے کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ اس سماج کا بہ نظر غائر ایک جائزہ لیا جائے جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تبلیغی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ مطالب بیان کئے جائیں گے اور کوشش کی جائے گی کہ ایسے مصائد اور منافع سے استفادہ کیا جائے جو مسلم اور غیر مسلم دونوں مورخین کیلئے متفق علیہ ہوں یعنی جب تک کسی ایک امر کی وضاحت کے لئے متفق علیہ مصائد پیش نہیں کئے جائیں گے، انکے ذریعے استناد سے اجتناب کیا جائے گا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی مرتبہ وحی نازل ہونے کے بعد جب اپنے ہا دی اور رہنمائے بشریت ہونے کا یقین حاصل کر لیا تب اپنی رسالت کے اظہار کے لئے اقدامات شروع فرمائے۔ ابتدا میں آپ نے اپنی رسالت کے اظہار کے لئے ایک بہت ہی مختصر اور محدود دائرے کا انتخاب فرمایا۔ آپ کے مؤثر اقدامات اور حقیقی پیغامات کے نتیجے میں مردوں میں سب سے پہلے حضرت علی (ع) اور خواتین میں اسلام کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والی حضرت خدیجہ تھیں۔

ایک عرصے تک آپ نے اپنی نبوت کو اپنے اقرباء کے درمیان پوشیدہ رکھا۔ بتدریج آپ کی رسالت کو وسعت بخشی جاتی رہی یہاں تک کہ پیغام آیا کہ اپنے اعمام کو (جنکا شمار اشراف قریش میں کیا جاتا تھا) جمع کرو اور اپنی رسالت کو انکے سامنے بیان کرو۔ آپ نے اپنے چچاؤ کو جمع کیا اور انکے سامنے اپنے مبعوث بہ رسالت ہونے کو بیان کیا جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ انہوں نے آپ کی صدا پر لبیک نہیں کہا بلکہ آپ کو انکی روگردانی اور اعتراضات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اعتراضات سے قطع نظر کرتے ہوئے بغیر کسی قسم کی یا س و ناامیدی کے اپنے پیغام کو دوسرے افراد تک پہنچانا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ بت پرستی اور زمانہ جاہلیت کے عرب کے درمیان رائج فاسد رسم و رواج اور ناروا عادات کے سلسلے میں آپ کی مخالفت زباں زد عام و خاص ہو گئی۔ مختلف حادثات و واقعات رونما ہوتے رہے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ آپ کے اس تبلیغی مشن اور محکم ارادوں کے سامنے قریش بے دست و پا ہو گئے اور اس افتادناگہانی سے نجات پانے کے لئے انہوں نے چھوٹے بڑے گروہ تشکیل دینا شروع کر دیے۔

آپ کے اس تبلیغی دور کے دوران اشراف قریش کے نمائندے کبھی مال و متاع کی لالچ دے کر تو کبھی مصائب و آلام سے ڈرا دھمکا کر آپ کی آواز کو دبائے اور آپ کو آپ کے بلند و بالا مقاصد سے باز رکھنے کی سعی لا حاصل کرتے رہے۔ انہیں اقدامات میں سے بعنوان نمونہ، ایک کا ذکر اس جگہ پر مناسب ہے۔

ایک روز عتبہ بن ربیعہ جو عرب کے سر برآوردہ افراد میں سے تھا، قریش کے مجمع میں بیٹھا ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تنہا تھے۔ عتبہ نے رؤسائے قریش سے کہا: ”میں محمد(ص) کے پاس جا رہا ہوں، ان سے گفتگو کروں گا اور ان مسائل کے سلسلے میں انکے سامنے کچھ چیزوں کی پیش کش کروں گا، شاید کسی کو قبول کر لے۔ وہ جس چیز کے خواہش مند ہوں گے ہم ان کے لئے مہیا کر دیں گے۔ شاید مال و منال اور قدرت و اختیار تک رسائی انکے بلند حوصلوں کو پست اور انکی ثابت قدمی کو متزلزل کر دے۔“ (یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب جناب حمزہ(ع) ایمان لا چکے تھے اور آپکے پیروکاروں کی تعداد روز افزوں تھی) قریش کے سرداروں نے اسکی تائید کی اور اسکو حضرت سے گفتگو کرنے کی اجازت دے دی۔ عتبہ مسجد میں آکر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ”اے میرے بھتیجے! جیسا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا مقام و منزلت تمہارے قبیلے کی عظمت و شرافت کی وجہ سے ہے۔ تم نے اپنی قوم کے بہت ہی حساس مسئلے کو چھیڑا ہے، اس کے اتحاد کو درہم برہم کر دیا ہے، اسکی خواہشات اور آرزوؤں کو حماقت سے تعبیر کر تے ہو، اسکے خداؤں اور مذہب پر عیب لگاتے ہوئے اسکے آباء و اجداد کو کافر قرار دیتے ہو۔ میتمہارے سامنے بعض چیزوں کی پیش کش کرتا ہو نا پر غور کرو شاید ان میں سے کچھ یا تمام اس لائق ہوں کہ ان کو قبول کر لو۔“

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابو الولید! کہو میں سن رہا ہوں۔“ عتبہ نے کہا: ”میرے بھتیجے! اگر تمہاری ان تمام حرکات کا مقصد مال و ثروت اکٹھا کرنا ہے تو ہم تم کو اتنی دولت دینے کے لئے آمادہ ہیں کہ تم سب سے زیادہ ثروت مند ہو جاؤ، اگر مقام و منزلت کے خواہشمند ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں، اگر حکومت چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لے گے اور اگر تم اپنی اس حالت کو جو تم پر طاری ہو تی ہے اپنے سے دور کرنے سے عاجز ہو تو تمہارے لئے طبیب کا انتظام کر سکتے ہیں، تمہیں اس مرض سے نجات دلانے کے لئے ہم اپنی دولت خرچ کر دیں گے۔ بعض اوقات انسان پر ایسی حالت طاری ہو سکتی ہے لیکن اسکے معالجے کا امکان ہے۔ جب عتبہ اپنی بات مکمل کر چکا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکی تمام گفتگو سن چکے تو فرمایا: ”اے عتبہ! تمہاری بات ختم ہو گئی۔ اس نے کہا: ”ہاں“ پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: ”اب مجھ سے سنو۔“ اسنے کہا: ”میں ہمہ تن گوش ہوں۔“ پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم کتاب فصلت آیا تہ قرآن عربیاً لقوم یعلمون بشیراً ونذیراً فارض اکثرہم فہم لا یسمعون وقا لو اقلو بنا فی اکنۃ مما تدعوننا لہ (فصلت 3/5) پھر اسکے بعد کی آیات عتبہ کے سامنے تلاوت فرمائیں۔ (جب پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیات کی تلاوت فرما رہے تھے، عتبہ بے خودی کے عالم میں آیات کو سن رہا تھا) یہاں تک کہ جب آیہ سجدہ پر پہنچے تو وہیں سجدہ ادا کیا، پھر فرمایا: ”اے ابو الولید! تم نے سنا؟ اب تم خود ہی فیصلہ کرو۔“ عتبہ واپس پلٹ گیا۔ جیسے ہی قریش نے عتبہ کو پلٹتے دیکھا، ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ عتبہ ایک دوسری حالت میں واپس ہو رہا ہے۔

عتبہ آکر قریش کے درمیان بیٹھ گیا۔ قریش نے بے چینی سے سوال کیا: ”عتبہ تم نے کیا دیکھا؟“۔ عتبہ کہنے لگا ”خدا کی قسم! آج ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ بخدا وہ کلام نہ شعر ہے اور نہ سحر و جادو۔ اے سردار ان قریش! اس مرد کے بارے میں میری بات مانو اور اسکا معاملہ میرے سپرد

کر دو ۔ میرا نظر یہ ہے کہ اس شخص کو اسکے حال پر چھوڑ کر کنا رہ کش ہو جاؤ ۔ خدا کی قسم! میں نے آج جو کلام اس سے سنا ہے وہ مستقبل کے کسی بہت بڑے حادثے کا پیش خیمہ ہے ۔ اگر عرب نے اسکا کام تمام کر دیا تو تم بغیر کسی اقدام کے اس مشکل سے نجات پا جاؤ گے اور اگر یہ شخص عرب پر مسلط ہو گیا تو اسکی منزلت اور قدرت و اقتدار تمہاری عظمت اور اقتدار کا وسیلہ بن جائیگی۔ اسکی بنا پر تم تمام عرب سے زیادہ خوش بخت ہو جاؤ گے ۔ ”قریش نے اسکی گفتگو سن کر کہا : ”خدا کی قسم! اسنے تم پر بھی جادو کر دیا ہے ۔“ عتبہ نے کہا : ”یہ میرا نظریہ تھا ورنہ تم خود صاحب اختیار ہو ۔“

عکس العمل

جب قریش اپنی آمد و رفت اور وعد و وعید سے مایوس ہو گئے تو انکے پاس مسلمانوں پر ظلم ڈھانے اور انکو نیست و نابود کرنے کی کوششوں کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ بچا ۔ چنانچہ عرب کے تمام قبیلے اپنے قبیلے کے ان افراد کو جو اسلام لے آئے تھے ، گرفتار کر کے قید و بند میں مبتلا کر دیتے تھے اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے تھے ۔ انکو مارتے پیٹتے ، بھوک اور پیاس کے ذریعے تمام راہیں ان پر مسدود کر دیتے تھے ۔ جب مکہ کی سنگلاخ وادی پر آفتاب شعلہ افشانی کر رہا ہوتا تھا ان مسلمان پر انہیں سلگتے ہوئے پتھروں اور تپتی ہوئی ریت میں عذاب ڈھایا جاتا تھا ۔

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا ان پر مصائب و آلام بھی کبھی فر دی اور کبھی اجتماعی طور پر بڑھتے چلے جاتے تھے ۔ آخر کار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجبوراً بعض مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دینا پڑا تا کہ انکو قریش کے مظالم سے نجات دلائی جاسکے ۔ ان مسلمانوں کو حبشہ کے لئے رخصت کرتے وقت آپ نے فرمایا : ”حبشہ میں ایک عادل بادشاہ کی حکومت ہے ۔ وہاں تم پر ستم نہیں ہو گا ۔“

قریش اس صورت حال پر سکت نہیں بیٹھے بلکہ دو لوگوں کو عرب کے نمائندے کی حیثیت سے حبشہ روانہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو واپس لیکر آئیں تا کہ قریش انکو دین اسلام سے منحرف کر سکیں ۔ جب نمائندگان عرب حبشہ کے بادشاہ کے پاس پہنچے اور مسلمانوں کی بازیابی کی درخواست کی تو نجاشی نے کہا : ”میرے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ لوگ میری سر زمین پر کیوں وارد ہوئے ہیں ؟“ کچھ مسلمانوں کو حاضر کیا گیا ۔ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے اس دین کے بارے میں جس نے انسانوں کو سعادت ابدی سے ہمکنار کرنے کا وعدہ کیا تھا ، بیان کیا ۔ نجاشی نے کہا کہ میں ان لوگوں کو پلٹنے کا حکم نہیں دوں گا بلکہ یہ اس سلسلے میں مختار ہیں ۔

اسکے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین کو عرب کے قبائل کے سامنے پیش کرنا شروع کیا ۔ خصوصاً حج کے موسم میں منی میں قیام پذیر حابیوں کی جائے قیام پر پہونچ کر تو حیدکی تبلیغ فرماتے اور ان لوگوں کو شرک اور بت پرستی سے اجتناب کی جانب دعوت دیتے تھے ۔ وہ قبائل جن کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی ، مندرجہ ذیل ہیں :

1) بنی کلب (2) بنی حنیفہ (3) بنی عامر (4) بنی خزرج

یہ بات مسلم ہے کہ تمام تواریخ اس بات پر متفق ہیں کہ بیعت عقبہ (ہجرت سے دو تین سال قبل) تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی جانب سے ذرہ برابر بھی جنگی ارا دے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اسلام کی قدرت مندی اور پختگی نے آہستہ آہستہ قریش کو بے حد پریشان کر دیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ نو بت جنگ تک پہنچ گئی۔ تاریخ نے اس صورت حال کو اس طرح بیان کیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بیعت عقبہ سے پہلے تک جنگ کی اجازت نہیں حاصل ہوئی تھی۔ بیعت عقبہ تک آپ نے صبر و شکیبائی کو اپنا شعار اور لوگوں کے لئے دعاؤں کو اپنا وظیفہ قرار دیا تھا۔ دوسری جانب قریش نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے اور مظالم ڈھانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ انہوں نے بعض مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر دیا تھا، بعض کو جلا وطن اور بعض کو مصائب و آلام میں مبتلا کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ جنگ کے سلسلے میں پہلی آیت نازل ہوئی:

”اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق“ (سورة حج 39/40)

(جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جا رہی ہے انہیں ان کی مظلومیت کی بنا پر جہاد کی اجازت دیدی گئی ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بلا کسی حق کے نکال دیئے گئے ہیں۔)

پھر دوسری آیت نازل ہوئی:

”وقا تلوهم حتى لا تكون فتنة“

(ان کے ساتھ جنگ کرو تاکہ مسلمانوں کو ان کے دین سے نہ پلٹائیں) یا تاکہ فساد کا خاتمہ ہو جائے۔)

ان امور کی جانب توجہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ رہنمائے اسلام نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے جنگ کا سہارا نہیں لیا بلکہ جنگ کی بنیاد ڈالنے والے کفار و مشرکین ہیں۔ اس موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دفاع کرنے پر مجبور تھے۔ چنانچہ پہلی بار جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جنگ کے سلسلے میں اقدام فرمایا تو حملہ نہیں کیا بلکہ صرف اور صرف دفاع کیا۔ اگر اسلام کی تمام جنگوں کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ دفاعی جہتیں ہی نظر آتی ہیں حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ کی پیمان شکنی کے موقع پر بھی چونکہ اس بات کا خوف تھا کہ وہ اسلام کے خلاف علم جنگ بلند کر دیں گے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حملے میں ابتدا فرمائی ہے۔ اسلام کے تمام جہادوں کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو جہاد کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں۔ لہذا یہاں پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ میں واقع ہونے والے جہادوں سے متعلق نازل ہونے والی آیات کو بطور اختصاص پیش کیا جا رہا ہے۔

(1)۔ ”اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير، الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق۔۔۔“ (سورة حج/39-40)

(جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جا رہی ہے انہیں ان کی مظلومیت کی بنا پر جہاد کی اجازت دیدی گئی ہے)

اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بلا کسی حق کے نکال دئے گئے ہیں علاوہ اس کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر خدا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے نہ روکتا ہوتا تو تمام گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسیحیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں سب منہدم کر دی جاتیں اور اللہ اپنے مددگاروں کی یقیناً مدد کرے گا کہ وہ یقیناً صاحب قوت بھی ہے اور صاحب عزت بھی ہے۔)

(2)۔ ”و قاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ“

(انکے ساتھ جنگ کرو تاکہ مسلمانوں کو انکے دین نہ پلٹائیں یا تاکہ فساد کا خاتمہ ہو جائے۔)

(3)۔ ”انما ینہاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاہروا علی اخراجکم ----“ (ممتحنہ 9/)

(وہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ کی ہے اور تمہیں وطن سے نکال باہر کیا ہے اور تمہارے نکالنے پر دشمنوں کی مدد کی ہے کہ ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کرے گا وہ یقیناً ظالم ہو گا۔)

(4)۔ ”کیف وان یظہر واعلیکم لایرقبوا فیکم الا ولادۃ یرضونکم بافواہم و تابی قلوبہم واکثرہم فاسقون اشتروا بآیات اللہ ثمناً قليلاً فصدوا عن سبیلہ انہم ساء ماکانو ايعملون لایرقبون فی مؤمن الاولادۃ واولئک ہم المعتدون فان تابوا و اقاموا الصلوۃ وآتوا الزکاة فاخوانکم فی الدین ونفصل الآیات لقوم یعلمون وان نکثوا ایمانہم من بعد عہد ہم وطعنوا فی دینکم فقاتلو ائمة الکفر انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتھونا لا تقتلون قوما نکثوا ایمانہم وھموا باخراج الرسول وھم بدء وکم اول مرة تخشونہم فاللہ احق ان تخشواہ ان کنتم مؤمنین“ (توبہ/ 13.8)

(ان کے ساتھ کس طرح رعایت کی جائے جب کہ یہ تم پر غالب آجائیں تو نہ کسی ہمسایگی اور قرابت کی نگرانی کریں اور نہ کوئی عہد و پیمان دیکھیے۔ یہ تو صرف زبانی تم کو خوش کر رہے ہیں ورنہ انکا دل قطعی منکر ہے اور ان کی اکثریت فاسق اور بد عہد ہے۔ انہوں نے آیات الہیہ کے بدلے بہت تھوڑی منفعت کو لے لیا ہے اور اب راہ خدا سے روک رہے ہیں۔ یہ بہت برا کام کر رہے ہیں۔ یہ کسی مومن کے بارے میں کسی قرابت یا قول و قرار کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ یہ صرف زیادتی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر بھی اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم صاحبان علم کے لئے اپنی آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں اور اگر یہ عہد کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے سر براہوں سے کھل کر جہاد کرو کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے شاید یہ اسی طرح اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ کیا تم اس قوم سے جہاد نہ کرو گے جس نے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور رسول کو وطن سے نکال دینے کا ارادہ بھی کر لیا ہے اور تمہارے مقابلے میں مظالم کی پھل بھی کی ہے۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو تو خدا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا خوف پیدا کرو اگر تم صاحب ایمان ہو۔)

(5)۔ ”و اذان من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الاكبر ان الله بريء من المشركين ورسوله فان تبتم فهو خير لكم وان توليتم فاعلموا انكم غير معجزي الله وبشر الذين كفروا بعذاب اليم الا الذين عهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئاً ولم يظا هر واعليكم احدا فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم ان الله يحب المتقين فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا اليهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم ان الله غفور رحيم“ (توبة 5.4.3)

(اور اللہ ورسول کی طرف سے حج اکبر کے دن انسانوں کے لئے اعلان عام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول دونوں مشرکین سے بیزار ہیں لہذا اگر تم تو بہ کر لو گے تو تمہارا حق میں بہتر ہے اور اگر انحراف کیا تو یا د رکھنا کہ تم اللہ کو عا جز نہیں کر سکتے ہو اور پیغمبر آپ کا فر وں کو درد ناک عذاب کی بشارت دے دیجئے ۔ علا وہ ان افراد کے جن سے تم مسلمانوں نے معا ہدہ کر رکھا ہے اور انہوں نے کو ئی کوتاہی نہیں کی ہے اور تمہارا رے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہیں کی ہے تو چار مہینے کے بجائے جو مدت طے کی ہے اس وقت تک عہد کو پورا کرو کہ خدا تقوی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔ پھر جب یہ محترم مہینے گزر جائیں تو کفار کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور گرفتاری میں لے لو اور قید کر دو اور ہر راستہ اور گزرگاہ پر ان کے لئے بیٹھ جاؤ اور راستہ تنگ کر دو ۔ پھر اگر تو بہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو کہ خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے ۔)

(6)۔ ”و قاتلو اشرکین کافة کما یقا تلونکم کافۃ“ (توبة/ 36)

(اور تمام مشرکین سے اسی طرح جہاد کرو جس طرح وہ تم سے جنگ کرتے ہیں ۔)

(7)۔ ”و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقا تلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین و قاتلوہم حیث ثقفتموہم و اخرجوہم من حیث اخرجوہم والفتنة اشد من القتل ولا تقاتلوہم عند المسجد الحرام حتی یقا تلو کم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوہم کذا لک جزاء الکافرین فان انتہوا فان اللہ غفور رحیم و قاتلوہم حتی لا تكون فتنة ویكون الذین للہ فان انتہوا فلا عدوان الا علی الظالمین“ (بقرہ/ 190-191-192-193)

(جولوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تم بھی ان سے راہ خدا میں جہاد کرو اور زیادتی نہ کرو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جس طرح انہوں نے تم کو آوارہ وطن کردیا ہے تم بھی انہیں نکال باہر کر دو اور فتنہ پردازی تو قتل سے بھی بدتر ہے اور ان سے مسجد الحرام کے پاس اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک وہ تم سے جنگ نہ کریں ۔ اس کے بعد جنگ چھیڑ دین تو تم بھی چپ نہ بیٹھو اور جنگ کرو کہ یہی کافریں کی سزا ہے ۔ پھر اگر جنگ سے بعض آجائیں تو خدا بخشنے والا اور مہربان ہے اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو جب تک سارا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین صرف اللہ کا نہ رہ جائے پھر اگر وہ لوگ باز آجائیں تو ظالمین کے علاوہ کسی پر زیادتی جائز نہیں ہے ۔)

(8)۔ ”ود کثیر من اہل الکتاب لو یر دونکم من بعد ایمانکم کفاراً“ (بقرہ/ 109)

(بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی ایمان کے بعد کافر بنالیں ۔)

مذکورہ آیات اسلام میں جہاد کی اہمیت کو واضح اور اس کے مفہوم کو روشن کرسکتی ہیں۔ ان آیات کا اکثر حصہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم اور آپکے پیروکاروں کو اپنا اور حریم اسلامی کا دفاع کرنے پر مامور کرنے کیلئے خداوند عالم کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ آخر الذکر آیت، اہل کتاب کے مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کی وضاحت کر رہی ہے کہ یہ لوگ اسلام کے ارتقاء کے لئے سدا رہا ہیں، حتیٰ کہ مسلمانوں کو انکے منتخبہ راستے سے دگرگوں کرنے کے لئے سعی و کوشش میں مصروف ہیں۔ سورئہ توبہ کی بعض آیات جن کو نقل کیا گیا ہے، واضح طور پر بیان کر رہی ہیں کہ پیمانہ کے ختم ہونے کے بعد مشرکین کے ساتھ کوئی رورعایت نہ کرو اور انکے ساتھ جنگ کا آغاز نہ کرو۔

مذکورہ آیات اور اسی قسم کی دو سری آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام نے مشرکین کے لئے صرف دورِ اہوں کا انتخاب کیا ہے، ایک اسلام اور دوسرے جنگ لیکن رسمی ادیان کے پیروکاروں کو ایک تیسری راہ کی بھی پیشکش کی ہے اور وہ ہے جزیہ (ٹیکس) دیکر اسلامی حکومت کی پناہ میں زندگی بسر کرنا۔

اسلامی حکومت

اسلام میں شمشیر کشی اور جہاد کا مسئلہ چند اعتبار سے قابل غور ہے :

- (1) اسلام کی نظر میں مشرکین کے لئے دورِ استوں کے علاوہ تیسرا راستہ موجود نہیں ہے۔
- (2) رسمی ادیان کے پیروکاروں کو جو صاحب کتاب تھے اور خود کو سابقہ الہی پیشواؤں کا پیرو سمجھتے تھے، اسلام نے فقط اپنی حکومت اور سرپرستی قبول کرانے کے بعد انکے مذہبی عقائد کے سلسلے میں آزاد چھوڑ دیا تھا۔
- (3) آیا اسلام نے کفار کے علاوہ دیگر گروہوں کے ساتھ بھی جنگی اقدامات کئے یا نہیں؟ اور وہ کون سے گروہ تھے؟
- (4) اسلام اپنی حکومت کو تمام قوموں اور ملتوں پر مسلط کرنا چاہتا تھا۔
- (5) جنگ کے سلسلے میں اسلام کی راہ وروش کیاتھی؟
- (6) مسئلہ جزیہ (ٹیکس) کی کیا نوعیت تھی؟
- (7) آیا اسلام کی نشوونما اور ارتقاء میں شمشیر اور خونریزی دخیل تھی؟
- (8) آیا حکومت اسلامی کا دائرہ، جنگ اور خونریزی کے ذریعہ وسیع کیا گیا ہے؟

(1) اسلام نے مشرکین کیلئے صرف دورِ استوں کا انتخاب کیا تھا

فقہ اسلامی اور معتبر تاریخ نویسوں نے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام نے مشرکین کو دورِ اہوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کے لئے مخیر کر دیا تھا کہ یا اسلام کو قبول کر لیں یا دوسرا اور آخری راستہ یہ تھا کہ آمادہ جنگ ہو جائیں۔

انسانی فطرت اور نفسیات کے دقیق مطالعے کے بعد یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صانع عالم کا وجود اور اسکی یکتائی ایک عمیق اور دقیق ترین مسئلہ ہے جسکو معمولی انسانوں کی نفسیات میں خاصا دخل ہے حتیٰ کہ منکران الوہیت بھی نادانستہ اور اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ایسی کسی ذات کا اس کائنات میں وجود ہو تو وہ با عظمت ترین ذات اور یہ نظر یہ عظیم ترین نظر یہ ہوگا۔ دوسری طرف یہی

انسان جب مقام پر ستش میں آتا ہے تو خدا کی ذات کے اتنے عظیم تصور کے باوجود اسکی منزلت کو اتنا گرا دیتا ہے کہ دست انسانی کے ذریعے تر اشے گئے ایک پتھر کو اس کا شریک اور جایگزین بنا دیتا ہے ۔ یہ جانتے ہوئے کہ ایک بے جان پتھر یا ایک جامد مادہ طبیعی تغیرات کے سامنے بے دست و پا اور سراپا تسلیم محض ہے اور کسی قسم کا شعور و احساس نہیں رکھتا ہے ۔ یہ نہ صرف خدا کی بزرگ و بالا ذات کی توہین ہے بلکہ اسمیں دنیا ئے بشریت کی بھی اہانت مضمحل ہے ۔

ایسا انسان جو اپنے مقدس ترین اور بزرگترین جذبے اور تصور کو (جو کہ مقام والا ئے خداوندی ہے) اس حد تک تنزل دیدے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے تر اشے ہوئے پتھر وں کے سامنے سر نیا زخم کر دے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کے نزدیک کسی بھی بزرگ اور با عظمت مفہوم کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ اسی بنیاد پر اسلام نے مشرکین سے جنگ کو اختیار کیا ورنہ اگر مشرکین بھی خود کو اہل کتاب اور انہیں کی طرح خداوند عالم کی عظیم ذات کا معترف اور معتقد قرار دیتے تو ان کے ساتھ بھی اہل کتاب والا سلوک روار کھا جاتا یعنی وہ بھی دیگر خارجی گروہوں کی طرح جز بیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلام کی عادت کو مت کے زیر سایہ زندگی بسر کر سکتے تھے ۔

(2) ۔ رسمی اور الہی ادیان کے صاحبان کتاب پیروکار صرف اسلامی حکومت کو قبول کرنے پر مجبور تھے فقہ اسلامی اور تاریخ کے متفقہ فیصلہ کی مدد سے یہ بات پائے ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر ادیان کے تابعین پر اسلامی عقائد کو تحمیل کرنے کے لئے ہر قسم کے جبر و زبردستی سے اجتناب کیا ہے بلکہ اس کے برخلاف ان کے عقائد کو محترم جانا ہے ۔ آپکی روش یہ تھی کہ صرف ان کے فاسد اور منحرف عقائد پر اعتراض فرماتے تھے ۔ جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

”قل یا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربا بامن دون الله فان تو لو افقو لو الشهد وابانا مسلمون“ (آل عمران 64)

رسمی اور سابقہ الہی ادیان کے پیروکار اسلامی تحریک کے مقابلے میں تین امور میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر مجبور تھے:

- (1) ۔ قبولیت اسلام
 - (2) ۔ حکومت اسلامی کے سامنے تسلیم ہونا اور اپنی فردی اور اجتماعی زندگی کی حفاظت کیلئے جز یہ وغیرہ ادا کرنا
 - (3) ۔ جنگ : جیسا کہ آئندہ ذکر ہو گا کہ یہ جنگیں اپنے عقائد کو منوانے کے لئے نہیں تھیں بلکہ اسلام کی عادت نہ حکومت کو قبول کرانے کے لئے تھیں
 - (3) آیا اسلام نے کفار کے علاوہ دیگر افراد کے ساتھ بھی اعلان جنگ کیا تھا ؟
 - یقیناً اسلام نے مملکت اسلامی میں ہر باغی اور منحرف گروہ کے ساتھ پیکار کی ہے اور اسی طرح مانعین زکاۃ کے ساتھ بھی سلوک کیا ہے باوجودیکہ وہ باغیانہ قصد نہیں رکھتے تھے (چونکہ ان دونوں مسائل کی قطعی علت واضح اور روشن ہے اس کی توضیح اور تفصیل سے احتراز کیا گیا ہے ۔)
 - (4) حکومت اسلامی کو تمام اقوام و ملل پر تسلط پیدا کرنے کی کیا وجہ تھی ؟
- شاید یہ مسئلہ ہماری بحث کا اہم ترین مسئلہ ہے ۔ یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ قطعی دلیلیں اور واضح براہین ، اسلام کی مستحکم اور عدالت خواہ حکومت کو ثابت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں احکام اسلامی اور

اسلام کے حقیقی حکام کی راہ وروش اور طرز حکومت سے استدلال کیا جائیگا۔

اولاً اسلام نے جہاں تک انسانی فطرت کا مطالعہ اور اسکی طبیعت و جبلت کے بارے میں مکمل طور پر تحقیق کی ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام میں حکومت اور حاکمیت کا تصور ایک حساس ترین مسئلہ ہے جس کی اساس یہ ہے کہ انسان کو سعادت اور خوش بختی کی جانب حتی الامکان رہنمائی اور اس کو سعادت ابدی سے ہمکنار کرنے کی آخری مرحلے تک سعی و کوشش کی جائے۔

حکومت اور حاکمیت کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس سے سرسری طور پر گزرا جاسکے یا اپنی تسلی خاطر کے لئے خوبصورت اور ادبی اسلوب بیان میں عمدہ عبارتوں میں بیان کر دیا جائے۔ بغیر کسی جھجک اور پردہ پوشی کے یہ بات کہی جا نا چاہئے کہ ہر حکمران بلکہ ہر اجتماعی اور مذہبی مکتب کی اہمیت اور حیثیت کا اندازہ انسان، جو ہر مکتب اور مذہب کی تمام کارکردگیوں کا محور اور اساس ہے، کے سلسلہ میں اسکی راہ وروش اور طرز تحقیق و تبیین سے لگا یا جا سکتا ہے۔ یہی طرز تفکر اور طریقہ تحقیق و شناخت اس مکتب کی حقیقی حیثیت کا کاشف ہو سکتا ہے۔

پیغمبر اسلام نے فطرت انسانی اور بشری نفسیات کی بطور کامل شناخت اور اسکی منطقی طور پر تحقیق کی ہے۔ اس بات کی تصدیق دوطریقوں سے کی جا سکتی ہے :

- (1)۔ وہ اصول جن کو قرآن (اسلامی آئین) نے انسان کے سلسلے میں بیان فرمایا ہے جنکو ان مباحث کے مقدمہ میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے اور اس بحث میں بھی اجمالی طور پر اشارہ کیا جائے گا۔
- (2)۔ ان افراد کی گواہی جو اسلام کے بارے میں اطلاعات رکھتے ہیں۔ علاوہ برائیں، انسان کے سلسلے میں خود پیغمبر اسلام اور آپ کے ساتھیوں کی راہ وروش بھی قابل استفاہ ہے۔
- انسان کے سلسلے میں قرآن کریم میں جو اصول و نظریات بیان کئے گئے ہیں وہ کسی ایک پہلو کی نشاندہی نہیں کرتے بلکہ اسکی مختلف جہات سے تشریح کرتے ہیں۔

(1)۔ انسان سعادت و شقاوت کے اعتبار سے ایک ثابت موضوع جو دہ نہیں ہے بلکہ تغیرات پذیر اسکا خاصہ ہے۔

(2)۔ انسان کے اندر مذکورہ دونوں صفات غیر محدود طور پر جلوہ گر ہو سکتی ہیں۔ جب سعادت اور خوش بختی کی مقدس اور پاکیزہ صفات اس کے اندر جلوہ نمائی شروع کرتی ہیں تو وہ خدا کی عظیم اور مافوق کائنات، ذات کے صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ جیسے ابراہیم (ع) خلیل خدا، موسیٰ (ع) بن عمران، عیسیٰ (ع) بن مریم، محمد بن عبد اللہ اور علی بن ابی طالب (ع) اور جب بھی انسان شقاوت اور پستی کی منازل میں وارد ہوتا ہے تو پست ترین حد تک گر سکتا ہے جسکی کوئی انتہا نہیں ہے جیسے فرعون و ستمگاران بنی اسرائیل و ابن ملجم و فرعون اور اسی طرح بیشمار افراد۔

(3)۔ ان دونوں صفات میں سے کوئی بھی صفت، انسانی توانائی اور اس کے اختیارات کے حدود کی تعیین کئے بغیر قابل حل نہیں ہے۔

(4)۔ اصل طبیعت انسان ایک با عظمت گوہر کی حیثیت رکھتی ہے جو لامتناہی صعود اور تنزل کو تحمل کر نیکی صلاحیت رکھتا ہے۔

(5). انسان اپنے مادی پیکر اور حب ذات کی بنیاد پر خود غرض اور منافع پرست واقع ہوا ہے۔ اگر ایمان ایک خارجی مانع کی حیثیت سے اسکے روبرو ہونے لگے تو وہ ایک ایسا خود خواہ اور منافع پرست موجود ہے جسکے مقابلے میں دنیا کی تمام مخلوقات ہیچ ہیں۔

(6)۔ اگر ان طبیعی عوامل سے جو اس کو فساد کی جانب لے جاتے ہیں، قطع نظر کرتے ہوئے فیصلہ کیا جائے تو اس موجود کی حیثیت اور قیمت دیگر تمام حیثیتوں اور قیمتوں کے مقابلے میں زیادہ بلکہ فوق حیثیت و اہمیت ہے۔

کسی بھی اجتماعی، سیاسی یا فلسفی مکتب نے انسان کی اس فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے نظریات بیان نہیں کیے ہیں کیونکہ ابھی تک مختلف مکاتب فکر انسان کے بارے میں اس کی تمام جہات کو مد نظر رکھتے ہوئے اظہار نظر نہیں کر سکے ہیں اور اگر اتفاقاً کوئی ایسا مکتب فکرجس نے انسان کے سلسلے میں اس کی تمام جہات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے نظریات بیان کئے ہوں، معرض وجود میں آیا بھی ہے تو اسلام کا موافق و مدافع ہی رہا ہے اور اپنے ان ہمہ جہات نظریات کی بنیاد پر اپنی ابدیت کا ضامن بن گیا ہے۔ اسلام نے دوبارہ انسان کی انسانیت سے قطع نظر کرتے ہوئے زندگی اور روح کو موجد تحقیق قرار دیا ہے۔ اسلام وسیع پیمانے اور غیر محدود طور پر حیوانات کو ذی روح ہونے کی بنیاد پر موجد تحقیق قرار دیتا ہے اور ان کے بارے میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے:

”کسی بھی زندہ موجود سے بغیر کسی علت کے اس کی زندگی کو سلب نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ حیوان یا بل استغاثہ بھی نہ ہو۔“

یہاں پر حیوان کے حقوق کے سلسلے میں اجمالی طور پر بعض اسلامی نظریات کو بیان کیا جا رہا ہے :

(1). ہر شخص جس کے پاس کوئی حیوان ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حیوان کے لئے اسکے حسب حال تمام وسائل زندگی فراہم کرے۔ اگر اسکے امکان میں نہ ہو یا نہ چاہتا ہو کہ ان وسائل کو مہیا کرے تو اگر اس حیوان کا گوشت قابل استفادہ ہو تو اس کو ذبح کر کے اسکے گوشت سے استفادہ کر سکتا ہے اور اگر یہ بھی اسکے امکان میں نہ ہو یا حیوان کا گوشت قابل استفادہ نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ اس حیوان کو فروخت کر دے یا کرائے پر دیدے تا کہ اس کی زندگی کے وسائل فراہم ہو سکیں اور اگر ان تمام راہوں میں سے کوئی بھی اسکے اختیار میں نہ ہو یا ان پر عمل درآمد کرنا نہ چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ اس حیوان کو آزاد کر دے تا کہ وہ اپنی زندگی کے لئے وسائل فراہم کر سکے۔

(2). اگر اس شخص نے جس کے زیر نظر کوئی حیوان ہے، مذکورہ امور میں سے کسی کو انجام نہ دیا ہو تو حاکم شرع کو حق حاصل ہے کہ وہ اس حیوان اور اسکے مالک کے حسب حال، مالک کو مذکورہ امور میں سے کسی ایک پر مجبور کرے۔

(3)۔ اگر مالک ان تمام امور کی انجام دہی سے اجتناب کرے تو اس صورت میں اس حیوان کے تمام اختیارات حاکم شرع کی جانب منتقل ہو جائیں گے۔ حاکم اسکے اموال منقولہ کو فروخت کر کے حیوان کی زندگی

کے و سا ئل مہیا کر سکتا ہے حتی اگر مالک کے اموال غیر منقو لہ پر تصرف کے علا وہ دوسر ا کو ئی چارہ باقی نہ رہ جا ئے تو بھی حاکم شرع اسکے اموال غیر منقو لہ پر تصرف کرکے حیوان کے لئے وسائل زندگی مہیا کر سکتا ہے ۔

(4)۔ بچہ دار حیوان کے دودھ سے استفادہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اگر دودھ حاصل کرنے کی بنا پر اس جانور کے بچہ کو کوئی گزند پہونچ جائے تو مالک کو مجرم سمجھا جائیگا ۔
اگر دو جانور تشنگی کی بنیاد پر موت کے قریب ہوں اور انمیں سے ایک مال کو ل اللحم اور دوسرا غیر ماکول اللحم حیوان ہو اور پانی کی موجودہ مقدار ان دونوں میں سے کسی ایک کو موت سے نجات دے سکتی ہو تو بعض فقہاء کے فتاوی کے مطابق پانی کے ذریعے غیر ماکول اللحم حیوان (مانندسگ) کو زندگی بخشی جائیگی کیونکہ ماکول اللحم کو ذبح کر کے اسکے گوشت سے استفادہ قانونی حیثیت رکھتا ہے لیکن کتے کا تشنگی کی بنیاد پر مر جانا غیر قانونی ہے ۔

مذکورہ حقوقی قواعد کی علت فقہائے اسلامی یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ تمام حقوق اس بنا پر ہیں کہ حیوان ایک ذی روح موجود ہے اور ذی روح موجود کی زندگی کو بے ارزش قرار نہیں دیا جاسکتا ۔
اگر حکومت اسلامی کے عادلانہ قوانین کی ذی روح بالخصوص نوع انسانی کو مد نظر رکھتے ہوئے آخری حد تک شناخت حاصل کر لی جائے تو اسکے باقی قوانین و احکام کی حقیقت کی شناخت و تحقیق سے بے نیازی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح اسلام نے انسان کی شناخت کی ہے کسی دوسرے مکتب فکری کی رسائی اس مرتبہ تک نہیں ہوئی ہے جسکو دیگر مکاتب فکر کے غیر مسلم مورخین و محققین نے اپنے آثار میں ذکر کیا ہے ۔

امریکا کا مشہور مورخ ، ویل ڈورانٹ، مؤلف تاریخ تمدن ، اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہے :
”یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی بھی شخص نے پیغمبر (ص) کے تعلیم یافتہ ہونے کو اہمیت نہیں دی ہے کیونکہ اس زمانہ میں لکھنا اور پڑھنا انسان کے امتیازات میں شمار نہیں کیا جاتا تھا ۔ اس بنا پر قبیلہ قریش میں صرف 17 افراد ایسے تھے جو لکھ اور پڑھ سکتے تھے اور یہ بات پائے ثبوت کو نہیں پہونچی ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھا ہو حتی کہ مبعوث بر رسالت ہونے کے بعد بھی ایک محرر آپکی خدمت میں رہتا تھا ۔ اسکے باوجود بھی کہ آپکا علم حاصل نہ کرنا ، آپکے ایک ایسی کتاب پیش کرنے کے سدرہ نہ ہو سکا جو عربی کی مشہور ترین و بلیغ ترین کتاب ہو اور اسی طرح انسان کی اسکے شایان شان شناخت کر سکے کہ علمی لحاظ سے ترقی یافتہ اور بلند پایہ اشخاص بھی اسکی منزلت و عظمت تک رسائی حاصل نہ کر سکیں ۔“

اس جگہ اسکا آخری جملہ قابل غور ہے کہ واضح طور پر اس نے بیان کیا ہے کہ ”آپکی انسان شناسی تقریباً بے نظیر ہے“ اسی مورخ کا ایک اور جملہ قابل ذکر ہے۔ مذکورہ کتاب کے صفحہ 47 پر اس طرح رقمطراز ہے :

”اگر مفہوم عظمت اور ایک با عظمت انسان کی انسانی جو ا مع پر اثر گزاری کے بارے میں ملاحظہ کیا جائے تو یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تاریخ کے عظیم ترین انسانوں سے زیادہ با فضیلت و عظمت ہیں۔ اپنے اپنی اس قوم کی روحی اور اخلاقی سطح کو بلندی عطا کر نیکا بیڑا اٹھا یا تھا کہ جسکو جھلستے ہوئے ریگستان کی گرم ہواؤں اور بیابانوں کی بے کیف خشکی نے حیوانیت کی گھنگھورتا

ریکی میں ضم کر دیا تھا۔ آپ اپنے عزم میں اس حد تک کامیاب و کامران ہوئے کہ تاریخ بشریت کا کوئی بھی مصلح آپ کے مقام تک نہ پہنچ سکا۔“

یہی مورخ اور مفکر مذکورہ کتاب کے صفحہ 116 پر کہتا ہے کہ ”اسلام، ادیان میں سادہ ترین اور روشن ترین دین ہے۔“

دوبارہ صفحہ 151 پر یوں بیان کرتا ہے: ”تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اسلامی حکومتوں کی تائید سے چلائی جانے والی تحریکوں کی بدولت تعلیمات عام ہو گئیں اور علم و دانش کو زندگی مل گئی، ادبیات، فلسفہ اور دیگر فنون کو ارتقاء کی اتنی بلند منازل پر پہنچادیا گیا کہ مغربی ایشیا 500 سال تک دنیا کے متمدن ترین ممالک میں شمار کیا جاتا تھا۔“

صفحہ 65 پر لکھتا ہے: ”یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کی عام راہ و روش ترقی کی آخری ممکنہ حدوں تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔“

شخصیت صفحہ 292 پر کہتا ہے: ”اسپین کی تاریخ میں اسلامی حکومت سے زیادہ مہربان اور عادل حکومت وجود میں نہیں آئی ہے۔“

خلاصہ کلام یہ کہ حکومت اسلامی نے اپنے منصفانہ اصول و قوانین کی بنیاد پر تمام معاشروں پر حکومت اور تسلط کا انتخاب کیا ہے۔

اسلامی حکومت میں شخصیت، حسب و نسب اور دیگر تمام مروجہ رسوم کو لغو و بے حقیقت قرار دیا گیا ہے۔

ایک سپاہی فام مسلمان جس کے اندر حاکمیت کے شرائط پائے جارہے ہوں، مملکت اسلامی پر حکومت کر سکتا ہے اس لئے کہ اسلام نے شخصیت کی اساس، پاکیزگی روح اور تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ حکومت اسلامی کی راہ و روش، جس کا اثر اور نتیجہ مختلف معاشروں میں نظر آتا ہے، ایک تائیدی و تعمیری کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے جس کی مسلم اور غیر مسلم دونوں مورخین نے تصدیق کی ہے۔

عمر بن خطاب کے دور حکومت میں مسلمانوں کو اطلاع موصول ہوئی کہ شہنشاہ روم نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے ایک عظیم لشکر ترتیب دیا ہے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے لشکر نے شام کے ایک شہر ”حمص“ پر فتح حاصل کی تھی اور اس کے باشندوں سے طبق معمول جزئیہ لیا تھا۔ اس خبر کے موصول ہونے کے بعد ہی کہ شہنشاہ روم، حمص پر حملہ آور ہونے والا ہے، حمص کے باشندوں کو ان سے حاصل کیا ہوا تمام جزئیہ واپس پلٹا دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ ہم شہنشاہ روم کے مقابلے میں تمہاری محافظت کرنے سے معذور ہیں لہذا تم خود اپنی حفاظت کا بندوبست کر لو۔ اہل حمص نے جواب دیا کہ تمہاری (مسلمانوں کی) حاکمیت ہمارے لئے سابقہ حکومتوں کی بہ نسبت محبوب تر ہے۔ ہم گزشتہ حکومتوں کے دوران مظلوم اور بے بس تھے۔ اسی بنا پر قوم یہودیہ نے پیش قدمی کرتے ہوئے کہا: ”تو ریت کی قسم! ہم تمہارے سپہ سالار کے شانہ بشانہ لشکر روم سے جنگ کرینگے یہاں تک کہ ہماری طاقت جواب دے جائے یا ہم مغلوب ہو جائیں۔“ چنانچہ قوم یہودیہ نے شہر کے دروازوں کو بند کر دیا اور اس کی حفاظت کے لئے کوشاں ہو گئی۔

اسی طرح دوسرے شہروں میں مسلمانوں کے ساتھ صلح کرنے اور حکومت اسلامی کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے یہودیہ نصاریٰ نے بھی اقدامات کئے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر شہنشاہ روم مسلمانوں پر غالب آگیا تو ہمیں ناچار اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹنا پڑے گا اور اگر شہنشاہ روم غالب نہ ہو سکا تو ہم مسلمانوں کے باقیماندہ

آخری فرد تک کا ساتھ دینگے۔ جب خداوند عالم نے مسلمانوں کو فاتح اور کفار روم کو مغلوب کر دیا تو یہود و نصاریٰ نے شہروں کے دروازوں کو مسلمانوں کے لئے کھول دیا اور شادمانی و مسرت کے عالم میں ناچتے گاتے ہوئے مسلمانوں کا استقبال کیا اور دوبارہ جزیہ ادا کیا۔ (فتوح البلدان: ج/1، ص/187) اسی داستان کو جارج زیدان نے تاریخ تمدن اسلامی: ج/1، ص/28 پر نقل کیا ہے۔

یہی اسباب تھے کہ جنگی بنا پر اس قدیم زمانے میں جس میں علم و معرفت کے دروازے بند تھے اور انسانی اور طبیعی اصول و قوانین کو اس بے شعور سماج میں نافذ کر دینا تقریباً نا ممکن تھا، نافذ کر دیا گیا۔ اکثر مسلم اور غیر مسلم مورخین اس بات کے معترف ہیں کہ اس دور کی مشکلات کے باوجود اسلام نے جہاں بھی قدم رکھا، اپنے طرز حکومت اور مختلف اقوام و ملل کو منطقی حدود میں بخشی گئی آزادی کے بنا پر بہت تیزی کے ساتھ ترقی کی منزلوں کو طے کرتا چلا گیا۔

اس مقام پر ضرورت ہے اس بات کی کہ ایک ماہر سماجیات جسکی اس فن میں مہارت مشرقی و مغربی دونوں مورخین کے نزدیک ثابت ہو، کا نظر یہ طلب کیا جائے اور ہمارے نظر میں یہ شخص ڈاکٹر گو سٹا ولو بو ن (1841-1931) ہے جسکی تالیفات ابھی تک سماجیات کے سلسلے میں عمیق ترین آثار میں شمار کی جاتی ہیں۔ اس عظیم محقق نے اسلامی حکومت اور اسکے ارتقاء کی تندرستی کے بارے میں اس طرح اظہار نظر کیا ہے:

”خلفائے راشدین کی امور مملکت کے بارے میں حسن تدبیر، جنگی فنون اور سپاہ گری سے زیادہ تھی۔ بہت ہی مختصر مدت میں انہوں نے ان فنون میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ ابتداءً کے کار میں انکا سابقہ ایسی اقوام و ملل سے پڑا تھا جو سالہا سال ظالم حکام کے شکنجے میں رہ چکی تھیں۔ ان ظالم حاکموں نے ہر طرح کے ظلم و جور کو انکے لئے روا کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان مظلوم رعایا نے اسلامی حکمرانوں کی جدید حکومت کا تہ دل سے استقبال کیا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ سابقہ حکومتوں کے مقابلے اسلامی حکومت میں بیشتر آزادی اور امن و سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ ان مغلوبہ اقوام کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ یہ بات مکمل طور پر روشن اور واضح ہو چکی تھی۔ خلفائے اسلام نے، بالخصوص حسن سیاست کے لحاظ سے مذہب کوتلواری کے زور پر پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ حتی الامکان دیانت اور عدالت کو معاشرہ میں رائج کر سکیں۔ چنانچہ جیسا کہ زبان زد عام و خاص ہے انکی طرف سے وقتاً فوقتاً اس بات کا اظہار ہوتا رہتا تھا کہ مغلوبہ اقوام کے تمام مذہبی رسوم و عقائد کو قابل احترام سمجھا جائے گا اور اس آزادی کے مقابلہ میں ان سے بہت مختصر مقدار میں جزیہ کے عنوان سے خراج لیا جاتا تھا جو سابقہ حکام کے مقابلے بہت کم تھا۔ مجاہدین اسلام اس سے پہلے کہ جنگ کا آغاز کریں سفیروں اور نمائندوں کے ذریعے صلح کی پیش کش کرتے تھے جیسا کہ ابوالمحسن نے نقل کیا ہے کہ یہ شرائط اساسی طور پر وہی شرائط ہوتے تھے جنکی پیش کش 17ھ میں عمرو عاص نے غزہ کے باشندوں سے کی تھی اور ایران و مصر کے ساتھ بھی اسی طرح کی شرائط باندھی جاتی تھیں۔ جس طرح کے شرائط مقرر کئے تھے ان شرائط کی عبارت مندرجہ ذیل طریقہ پر ہوا کرتی تھی:

”ہمارے حاکم نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام کو قبول نہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ پس ہمارے صدارت پر لبیک کہو، ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہر قسم کے سود و منافع میں ہمارے شریک ہو جاؤ۔ جان لو کہ اس کے بعد ہماری جانب سے تمہیں کسی قسم کی اذیت و آزار نہیں پہونچے گا۔ اگر ہمارے شرائط تمہارے لئے قابل قبول نہیں ہیں تو جب تک زندہ ہو، سالانہ خراج (جزیہ) کے عنوان سے ایک مبلغ

ہمیں ادا کرتے رہو۔ دوسری جانب اس خراج کے مقابلے ہم بھی عہد کرتے ہیں کہ جو بھی تم کو اذیت و آزار پہنچائے گا یا کسی بھی قسم کی دشمنی کا اظہار کرے گا، ہم اس سے جنگ کرے گے۔ جب ہم تمہارے ساتھ یہ قرارداد کریں گے تو کسی بھی موقع پر اسے توڑیں گے نہیں۔ اگر تم نے اس کو بھی قبول نہیں کیا تو ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تلوار فیصلہ کرے گی۔ ہم جب تک حکم خدا کو جاری نہیں کر دیں گے تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔“

عمر و عاص نے تقریباً یہی برتاؤ اہل مصر کے ساتھ کیا تھا۔ اس نے ان کے ساتھ قرار داد کی تھی کہ مذہب اور مذہبی مراسم کے اعتبار سے ان کو مکمل طور سے آزادی دی جائے گی، قانون وعدا لیت کو غیر جانبداری سے ان کے درمیان جاری کیا جائیگا، مالکیت کے اصولوں کے تحت آزادی و اجناس ان کے حقوق میں شمار کئے جائیں گے۔ ان سبھو لیا ت کے عوض قرار داد کی گئی کہ بادشاہان قسطنطنیہ جو خطیر رقم زیر دستی ان سے لیتے تھے اس کے مقابلے ہر شخص سا لانیہ کے عہد ان سے ایک مختصر مبلغ جو تقریباً 15/ فرینک کے مساوی تھا، ادا کرے۔ ان اطراف میں بسنے والوں نے اس قرارداد کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ فوراً اس کو قبول کر لیا اور مبلغ صلح کے عنوان سے کچھ مال جمع کر کے ہتھیار ڈال دیے۔ اسلامی حکومت کے عمال اپنے عہد و پیمان کے سلسلے میں اس قدر وفادار تھے کہ سابق حکمرانوں کے ظلم و ستم کا شکار عوام کے ساتھ انہوں نے غیر معمولی شفقت اور محبت و مہربانی کا سلوک اختیار کیا کہ عوام با رضا و رغبت، دین اور زبان عربی کی جانب کھینچتے چلے آئے۔ ایسے نتائج تلوار کے زور پر حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ عرب سے قبل مصر کو فتح کرنے والے افراد میں سے کوئی بھی ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کرسکا۔

فتوحات عرب کے سلسلے میں ایک نکتہ قابل غور ہے جو دیگر اقوام میں نہیں پایا جاتا ہے۔ دوسری اقوام کو اگر دیکھا جائے تو مثل برابری (جس نے روم کو فتح کیا) یا ترک وغیرہ جنہوں نے عالمی حکومت کے قیام کے قصد کے ساتھ نمایاں فتوحات حاصل کیں، ان میں سے کوئی بھی اپنا تمدن اور تہذیب قائم نہ کر سکا بلکہ اکثر نے مغلوبہ اقوام کے احوال و کوائف سے حتی الامکان بھرہ برداری کی۔ اس کے برخلاف تاریخ اسلام نے ایک بہت مختصر مدت میں ایک نئے تمدن اور تہذیب کو نافذ کر دیا اور مفتوحہ ممالک کی اقوام کی بڑی تعداد کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس جدید تمدن کے تمام اجزاء حتی کہ اس کی زبان اور مذہب کو اختیار کر لیں۔“ (تمدن اسلام و عرب، چوتھا ایڈیشن صفحہ 157-158-159)

اسی مفکر نے مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر 145 اور 148 پر اسلامی حکومت کی ترقی کے اسباب و علل پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”ہم اگر ابتدائی مسلمانوں کی فتوحات کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں اور ان کی کامیابی کے اسباب و علل پر غور کریں تو احساس ہوگا کہ وہ مذہب کے سلسلے میں مکمل طور پر آزادی بخشتے تھے۔“

اگر عیسائیوں نے اپنے فاتحین یعنی اعراب کے دین یہاں تک کہ زبان کو بھی اختیار کر لیا ہے تو اس کا حقیقی سبب یہی ہے کہ وہ سابق حکمرانوں کے ظلم و ستم برداشت کر چکے تھے اور جدید حکام کو سابقہ کے مقابلے عادل اور منصف مزاج سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا مذہب بھی ان کے اپنے مذہب کے مقابلے سادہ اور حقیقت سے قریب تھا۔

تاریخ کے ذریعے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی بھی مذہب کو تلوار کے زور پر پھیلا نا ناممکن ہے۔ جب نصاریٰ نے اندلس کو مسلمانوں کے قبضہ سے چھین لیا تو اس مغلوب قوم نے مرنا تو قبول کر لیا لیکن مذہب کو تبدیل کرنا گوارا نہیں کیا۔ واقعاً بجائے اس کے کہ اسلام تلوار و نیزے کے زور پر پھیلا ہو درحقیقت تبلیغ

وتقریر اور تشویق کی بنا پر آگے بڑھا ہے ۔

یہی وجہ تھی کہ ترک و مغل اقوام نے عرب کو مغلوب کر نے کے باوجود انکا دین قبول کیا اور ہندستان میں جو فقط عرب کی گزر گاہ واقع ہوا تھا ، اسلام نے اس حد تک ترقی کی کہ حال حاضر میں 20/ کر وڑ سے زیادہ مسلمان اس ملک میں موجود ہیں اور مستقل رو بہ افزائش ہیں ۔ اس وقت ہزاروں عیسائی تمام وسائل و ذرائع کے ساتھ وہاں مشغول تبلیغ ہیں لیکن معلوم نہیں ہے کہ انکو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوئی یا نہیں ۔ چین میں بھی اسلام کی ترقی و بلندی قابل توجہ ہے ۔ اسی کتاب کے دوسرے حصہ کے مطالعے کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام نے وہاں کسی حد تک اپنا رسوخ پیدا کیا ہے ۔ چنانچہ اسوقت چین میں 4/ کروڑ سے زیادہ مسلمان موجود ہیں درحالیکہ عرب نے اس زمین پر حملہ نہیں کیا حتی کہ ایک بالشت زمین بھی اپنے تصرف میں نہیں لایا ہے۔

کتاب تمدن اسلامی ج 1/ ص 80۔ 81 پر اسلامی حکومت کی کامیابی کے اسباب کی فہرست کے ذیل میں جر جی زیدان اس طرح تحریر کرتا ہے:

”مذکورہ اوصاف کے لئے روم اور ایران سے اسلامی حکومت کی پناہ میں داخل ہونے والے افراد کیلئے ایک عظیم تاثر اور وہ نصیحتیں جو اسلامی افواج کے گوش گزار کی جاتی تھیں ، حسب ذیل ہیں : شام سے رخصت کرتے وقت ابو بکر نے اسامہ کو یوں حکم دیا: ”خیانت نہ کرنا ، فریب وہی سے اجتناب کرنا ، اسیر نہ کرنا ، مثلہ نہ کرنا ، بوڑھوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا ، کسی درخت کو نہ جلانا نہ گرانا ، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا ، بھیڑ ، گائے ، اور اونٹوں کو نہ مارنا مگر یہ کہ خدا کے لئے ۔ اگر تم ایسے گروہ کے پاس سے گزرو جو کنا رہ کش ہو چکا ہو اور عبادت گاہوں میں پناہ لئے ہوئے ہو ، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا ۔“

اسلام فتح مندی اور کامیابی کے دیگر اسباب میں سے ایک برابری اور مساوات کا قائل ہو نا بھی ہے ۔ چھوٹے اور بڑے کو برابری کا درجہ دیا جانا اسلام کی کامیابی کا ضامن بن گیا ۔ اس قانون تساوی کی روشن ترین دلیل غسان کے بادشاہ جالبہ بن ایہم کی داستان ہے جو عمر بن خطاب کے دور میں اسلام لایا تھا ۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جالبہ اپنی پیادہ اور سوار فوج کی ہمراہی میں وارد مدینہ ہوا ۔ اس کے سر پر بیش قیمت جواہر کا جڑاؤ تاج تھا ، گھوڑوں کے گلے میں سونے کی زنجیریں آویزاں تھیں ۔ مدینے کے باشندے اسکا جاہ و حشم دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے ۔ اسکا یہ جاہ و حشم اسلامی حد جاری کئے جانے سے مانع نہ ہو سکا ۔ یہ داستان اس طرح ہے کہ قبیلہ فزار کے ایک معمولی شخص نے جبکہ کے شاہانہ لباس پر اپنا پیر رکھ دیا ۔ جبکہ نے اپنے جلال و عظمت کے زعم میاس فزاری شخص کے منہ پر ایسا ہاتھ مارا کہ اسکی ناک زخمی ہو گئی ۔ اس فزاری شخص نے عمر سے شکایت کی ، عمر نے جبکہ کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور اس سے اسکی اس حرکت کے بارے میں سوال کیا ۔ جبکہ نے جواب دیا : ”اے امیر المومنین ! یہ شخص چاہتا تھا کہ میرا لباس کھل جائے ۔ اگر مکہ کا احترام پیش نظر نہ ہوتا تو تلوار کا ایسا وار کرتا کہ اسکا سر دونوں آنکھوں کے درمیان سے شگافہ ہو جاتا۔“

عمر نے کہا : ”تم نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے لہذا یا تو اس شخص کو راضی کرو یا یہ مرتد سے قصاص لے گا ۔ میں حکم دیتا ہوں کہ وہ بھی اسی طرح تمہاری ناک پر ضرب لگائے جس طرح تم نے اسکو ضرب لگائی ہے ۔“ جبکہ نے سوال کیا : ”یہ کیسے ممکن ہے ؟ وہ ایک معمولی انسان ہے اور میں بادشاہ ہوں ۔“ عمر نے کہا : ”اسلام تمہیں اور اسے برابر سمجھتا ہے ۔ تمکو اس پر صرف تقویٰ اور پاکدامنی کے ذریعے برتری حاصل ہو سکتی ہے ۔“ عمر کے اس حکم کے مقابل جبکہ کو اسلامی حکومت سے فرار کے سوا اور کوئی راہ نظر نہ آئی

-چنانچہ قسطنطنیہ بھاگ گیا اور پھر کبھی عرب ممالک کی جانب نہ پلٹا۔

مذکورہ داستان کی شبیہ قطبی کی داستان بھی ہے جسکو عمر وعاص کے بیٹے نے مارا تھا۔ یہ شخص عمر کے پاس گیا اور اس سے عمر وعاص کے بیٹے کی شکایت کی۔ عمر نے ایک شخص کو بھیج کر عمرو عاص اور اس کے فرزند کو بلوایا اور قطبی کے ہاتھ میں تازیانہ دیگر عمر وعاص کے بیٹے کے ساتھ عمر وعاص کو بھی مارنے کا حکم دیا۔ عمر وعاص کے پوچھنے پر کہ میرے بیٹے نے اس شخص کو مارا ہے، میری کیا خطا ہے۔ عمر نے جواب دیا کہ اے عمرو عاص! کب سے تم نے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے درحالیکہ اپنی ماں کی کوکہ سے آزاد دنیا میں آئے تھے۔

جن اصولوں نے اسلام کی ترقی کے اسباب مہیا کئے ہیں انہیں سے ایک مغلوبہ اقوام کو دی جانے والی آزادی بھی ہے۔ عرب جب کسی ملک کو فتح کرتے تھے تو اسکے باشندوں کو انکے دین، عقائد، رسومات اور مدنی و قضائی احکام کے سلسلے میں آزاد چھوڑ دیتے تھے اور کسی قسم کا جبر و زبردستی انکے ساتھ روا نہیں رکھتے تھے۔ انکا یہ رویہ مصر اور دیگر تمام ممالک کے ساتھ اسی طرح تھا۔ اسلامی حکومت کے عادلانہ اور منصفانہ ہونے پر اتنی کثرت سے شواہد موجود ہیں کہ اسلام میں جہاد سے مختص ایک کتاب اسکی صلاحیت نہیں رکھتی کہ ان تمام شواہد کی تفصیلات اسمیں درج کی جاسکیں۔

اسلام میں جنگ کی کیفیت

اسلام میں انسان بلکہ تمام جانداروں کے سلسلے میں جو تجزیہ و تفسیر کی گئی ہے اور زندگی کی اہمیت کا جس طرح اسلام قائل ہے اسکی روشنی میں اسلام میں موضوع جنگ ایک دلچسپ شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اس موضوع کو مزید واضح و روشن کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان بلکہ عام زندگی کے بارے میں اسلام کی تفسیر و تجزیے پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اسلام نے بغیر کسی علت کے ایک انسان کے قتل کو تمام نوع بشر کے قتل کے مرادف قرار دیا ہے۔ اس مقام پر اس کے علاوہ بھی چند نکاتوں کی جانب اشارہ کیا جائے گا :

(1)۔ ان تمام اوصاف حمیدہ سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ جن کی بنا پر حضرت علی بن ابی طالب (ع) کو پیغمبر اسلام (ص) کے بعد اسلام کی اولین ردیف میں شمار کیا جاتا ہے، بغیر کسی شک و شبہ کے پہلی ردیف کے مجاہد بھی ہیں۔ تمام تاریخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ آپ کو کسی ایک شخص یا دشمن کی پوری فوج کے مقابلے میں کبھی ڈر کر پیچھے ہٹتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ جنگ تبوک کے علاوہ اسلام کی تمام جنگی فتوحات آپ کی علمبرداری اور فداکاری کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی ہیں۔

اسلام کے اسی اولین ردیف کے جنگجو کا ارشاد گرامی ہے: ”واللہ لو اعطیت الاقالیم السبعة بما تحت افلاکھا علی ان اعصى اللہ فی نملۃ اسلبھا جلب شعیرۃ ما فعلت۔“

(خدا کی قسم! اگر ہفت اقلیم ان چیزوں سمیت جو آسمانوں کے نیچے ہیں مجھے دے دئے جائیں کہ صرف اللہ کی اتنی معصیت کروں کہ میں چیونٹی سے جو کا ایک چھلکا چھین لوں تو کبھی ایسا نہ کروں گا۔)

اسلام نے علی (ع) کی اس طرح تر بیت کی ہے کہ ایک طرف آپ کے سامنے اس دنیا کی آخری قابل تصور عظیم ترین منفعت (پوری دنیا کی مالکیت) ہے اور دوسری طرف دنیا کی ضعیف ترین موجود چوٹی کے منہ سے ایک جو کا چھلکا چھیننا جو اس کائنات کا ناقابل شمار اور بے ارزش ترین حادثہ ہے۔ علی (ع) دونوں کا مقابلہ کرنے کے بعد اس چھوٹی سی نافرمانی کو اس لامحدود لذت سے کہیں زیادہ خوف ناک سمجھتے ہیں اور اس چھوٹی سی معصیت سے بچنے کے لئے اس عظیم منفعت کو ٹھکرادیتے ہیں۔ یہ ہے اسلام کا مجاہد، اسے کہتے ہیں اسلام کے لئے تلوار چلانے والا، یہ وہ جنگجو ہے جو مفسدین کے ساتھ ہر سرپیکار ہے، جنگ کر رہا ہے، اسلام کے لئے میدان کارزار میں کشتوں کے پشتے لگا رہا ہے درحالیکہ چوٹی جو ایک زندہ موجود ہے، کے منہ سے ایک جو کے چھلکے کو بھی ظلم و ستم کے ساتھ چھیننا گوارا نہیں کرتا ہے۔

(2)۔ اخلاق انسانی کا جو سلوک حضرت علی بن ابی طالب (ع) نے اپنے قاتل ابن ملجم کے ساتھ اختیار کیا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں شمشیر کشی کا مسئلہ زور آزمائی کے لئے نہیں تھا بلکہ اسکا اصل مقصد انسان سازی تھا۔ آپ نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا کہ اگر ابن ملجم کو معاف کردو گے تو یہ تقویٰ سے زیادہ نزدیک ہے۔

(3)۔ حضرت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام جنگوں کے موقع پر عام فرمان یہ ہوا کرتا تھا: ”سیروا باسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقطعوا اشجارہ الا ان تضطروا الیہا ولا تقتلوا شیخا فاتیاً ولا صبیاً ولا امرأۃ ولا متبتلاً فی شہق ولا تحرقوا ولا تلخل ولا تغرقوا اباء لہم ولا تعقروا من الہما ثم یمایو کل لحمہ الا مالا بد لکم“ (خدا کا نام لیکر، اسکی مدد، اسکی راہ میں پیغمبر خدا کی ملت پر آگے بڑھو۔ جنگ کے موقع پر فریب نہ کرنا، کسی کو اسیر نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، کسی درخت کو مجبوری کے موقع کے علاوہ قطع نہ کرنا، کسی چوپائے کو کہ جسکا گوشت قابل استفادہ ہو، نہ مارنا سوائے اس کے کہ کوئی دوسری راہ موجود نہ ہو۔) یہ اسلام کاجنگ کے سلسلے میں محکم دستور ہے۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کے نام سے، خدا کی مدد سے، خدا کی راہ میں، کسی مقام پر یہ نہیں کہا ہے کہ تلوار کے نام سے، کامیابی کے راہ میں۔ کبھی نہیں فرمایا کہ عرب کے نام سے، عرب کے تعاون سے، عرب کی سرپرستی کے راستے میں۔ کہیں پر یہ ارشاد نہیں ہوا کہ حسب و نسب کہ نام پر، نسلوں کے تعاون سے، نسلوں کی کامیابی کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

آپ فرماتے ہیں کہ فریب دہی، قید و بند میں مبتلا کرنا، مثلہ کرنا ممنوع ہے جب کہ معمولی انسانوں کے نزدیک یہ تمام چیزیں جنگ کا جزو لاینفک ہیں صرف اتنا ہی نہیں کہ انسان کو شمشیر کی نوک پر رکھنے سے منع فرمایا ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ بلاوجہ حیوانات کے لئے بھی مزاحمت ایجاد نہ کرنا۔ ان تمام چیزوں سے بڑا لازم الاجراء حکم دیا جا رہا ہے کہ کسی بھی درخت کو بغیر مجبوری کے قطع نہ کیا جائے۔

جہاد کے فقہی احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ دشمن کی کمین گاہ میں سم پاشی ممنوع ہے۔

(4)۔ اگر کسی موقع پر کفار جنگ کے دوران عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کو اپنی سپر بنالیں مثلاً اگر اسلامی لشکر کی صفوں کے سامنے لا کھڑا کریں تو ایسی حالت میں جنگ ممنوع ہو جائیگی، یہاں تک کہ مفر و ضہ کیفیت ختم ہو جائے۔ سوائے اسکے کہ فردی جنگ کے موقع پر مذکورہ کیفیت کی رعایت کی بنا پر شکست کھانے کا خوف ہو۔ ایسی صورت میں پوری دقت و توجہ کے ساتھ مذکورہ اشخاص کو کمترین تعداد میں قتل کرتے ہوئے جنگ کو جاری رکھا جائے گا۔

اگر مفر و ضہ حالات میں کوئی اسلامی سپاہی مذکورہ احکام کی رعایت نہ کرتے ہوئے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر حملہ کر دے اور ان مستثنیٰ افراد میں سے کسی کو قتل کر دے تو اگر یہ قتل عمد 1 ہو اھو تو اس سے قصاص لیا جائے گا نیز قتل عمدی کا کفارہ بھی اسے ادا کرنا ہو گا اور اگر یہ قتل غلطی سے سرزد ہوا ہو تو مقتول کا فر کی دیت اس مسلمان کے مال سے لیکر مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی۔ (جواہر : کتاب جہاد ص / 563)

(5)۔ جنگ کو ظہر سے قبل شروع کرنا مکروہ ہے۔ یحییٰ بن ابی العلاء سے روایت ہے کہ امیر المومنین (ع) بیان فرماتے ہیں: ”ظہر گزرنے کے بعد شب قریب ہو جاتی ہے جسکی بنا پر خونریزی کم ہو جاتی ہے اسلئے جو میدان جنگ میں آنا چاہتا ہے وہ تاریکی پھیل جانے کی بنا پر نہیں پھونچ سکے گا۔ میدان جنگ سے فرار کرنے والے کے لئے بھاگنے کے امکانات زیادہ ہیں۔“ (سابقہ حوالہ)

(6)۔ جنگ کے آغاز کی لازمی شرط، حقائق و اصول اسلام کو بیان کرنا ہے۔ مسمع بن عبد الملک نے حضرت جعفر صادق (ع) سے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین (ع) نے فرمایا: ”پیغمبر اسلام (ص) نے مجھے یمن بھیجا اور حکم دیا کہ اسلام کے اصول و حقائق کو بیان کئے بغیر کسی سے جنگ نہ کروں۔“ پھر آپ نے فرمایا: ”اے علی! اگر تمہارے ذریعے خداوند عالم کسی کی ہدایت فرمادے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان تمام موجودات کے مالک ہو جاؤ جن پر آفتاب طلوع و غروب کرتا ہے۔“

ضروری ہے کہ قبل از جنگ، کفار کے لئے واضح کردیا جائے کہ ہمارا مقصد دنیاوی مال و منال اور حکومت و سلطنت نہیں ہے۔ لہذا اگر ایک اسلامی سپاہی دعوت سے قبل کسی ایک کافر کو قتل کردے تو اسکو مجرم سمجھا جائے گا حتیٰ کہ بعض فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ اسلامی سپاہی اس کافر کے خون کا ذمہ دار ہے۔ مذکورہ بالا شرائط کے ملا حظے کے بعد اس حقیقت کو قبول کرنا بہت آسان ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) اپنے آخری ایام میں ایک وسیع و عریض سرزمین جسکی مقدار تمام یورپ کے مساوی ہے، پر حکمرانی کر رہے تھے اور اس وقت لاکھوں افراد اس سرزمین پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ دشمن کے صرف 150 / افراد کے جانی نقصان کے بعد یہ علاقہ فتح ہوا تھا (بہ استثنائے مقتولین یہود بنی قریظہ کہ یہ لوگ اپنی سرکشی کی بنیاد پر قتل ہوئے تھے)۔ مسلمانوں کے جانی نقصان کا تخمینہ دس سال کی مدت کے دوران ایک فرد ماہانہ کے حساب سے لگایا جاسکتا ہے۔ 120 / مسلمان اور 150 / کافر کل ملا کر 270 / افراد قتل ہوئے ہیں اور پورے یورپ کے مساوی سرزمین پر حکومت اسلامی قائم ہوئی ہے اور اسکے باشندوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ (رسول اکرم (ص) در میدان جنگ : ص / 12)

(7)۔ جنگوں میں نہ صرف مسلمانوں کے لئے روا نہیں ہے کہ پیمان شکنی کریں بلکہ اگر کفار کے دو گروہ بر سر پیکار ہوں اور پھر صلح اور آپس میں عہد و پیمان کرلیں، اس کے بعد ان دونوں گروہوں میں سے کوئی اپنے دشمن کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کرنا چاہے تو یہ پیمان اسلام کی نظر میں ممنوع ہے۔ کتاب جواہر، باب جہاد ص 625/ پر روایت ذکر ہوئی ہے کہ طلحہ بن زید حضرت امام صادق (ع) سے نقل کرتے ہیں : ” کفار حربی میں سے دو گروہوں نے باہم جنگ کی اور پھر صلح کر لی۔ پھر ان دونوں بادشاہوں میں سے ایک نے اپنے دشمن کو دھوکا دیتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ اس دوسرے بادشاہ سے جنگ کے سلسلے میں پیمان کر لیا ۔ آیا یہ مصالحت اور پیمان جائز ہے ؟“ آنحضرت نے فرمایا : ” مسلمان فریب دہی نہیں کر سکتا ہے ، نہ فریب وحیلہ کا حکم دے دسکتا ہے اور نہ فریب کاروبار و حیلہ گروں کا ساتھ دے سکتا ہے۔ مسلمان صرف مشرکین سے جنگ کر سکتے ہیں لیکن ان کفار کا ساتھ نہیں دے سکتے جنہوں نے باہم جنگ نہ کرنے کا پیمان کر لیا ہو۔“